ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی*

اسلام اور تبدیلی مذہب کا مسئلہ: بعض نئے مطالعات کی روشنی میں

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

علما کے عام حلقوں میں بعض مباحث کو مفروغ عنہ اور حتمی سمجھا جاتا ہے، اگرچہ تاریخی طور پر ان پر ماضی میں بھی سوال اٹھتے رہے ہیں اور دوسری آرا بھی پائی جاتی رہی ہیں[1] مگر اجماع کا حوالہ دے کر ان کو درخور اعتنا نہیں سمجھا گیا۔

* ریسرچ ایسوسی ایٹ، مرکز برائے فروغ تعلیم وثقافت مسلمانان ہند، علی گڑھ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، انڈیا۔

[1] ڈاکٹر یوسف القرضاوی تحریر کرتے ہیں: 'فقد صحت الروايات عن سيدناعمرو عن الفقيه التابعي الجليل إبراهيم النخعي وعن الإمام سفيان الثوري أنهم لم يروالقتل لازمًا في عقوبة الردة واكتفوا بحبس المرتد، ودعوته إلى التوبة والرجوع إلى الجماعة (فقہ الجہاد، ص ۲۰۱ الجزء الاول مكتبه وهبه القاهره ۲۰۰۹ء)، رواه سعيد بن منصور في الفتوح ۲۲۶/۲، وعبد الرزاق في الكفر بعد الإيمان برقم ۸۶۹۶، وابن أبي شيبه في السير ۳۳۴۰۶، والطحاوي في شرح معاني الآثار ۲۱۰/۳، والبيهقي في السنن الكبرىٰ، كتاب المرتد ۲۰۷/۸۔ وفي آخره: كنت أعرض عليهم أن يدخلوا في الإسلام فإن أبوا استودعتهم السجن. وروى عبد الرزاق في الكفر بعد الإيمان برقم ۸۶۹۷، عن إبراهيم النخعي، قال في المرتد: يستتاب أبدًا، قال سفيان الثوري: هذا الذي نأخذبه' (فقہ الجہاد، ص ۲۰۱) (یعنی سیدنا عمر اور ابراہیم نخعی اور امام سفیان ثوری تینوں کا صحیح روایات میں یہ موقف

موجودہ زمانہ میں نئے مطالعات اور تحقیقات کا سلسلہ ان پر چل نکلا ہے اور نئی آرا بھی سامنے آئی ہیں۔ ارتداد کی سزا بھی انھی مباحث میں سے ایک ہے، جس پر عصر حاضر میں نئے انداز میں سوچنے اور لکھنے کا سلسلہ فکر اسلامی میں تجدید و اصلاح کے داعیوں میں غالباً سب سے پہلے شیخ رشید رضا مصری نے شروع کیا تھا۔ اب اس پر عربی، انگریزی اور اردو میں شیخ طٰہٰ جابر علوانی، سلیم العوا، ایس اے رحمان، عبداللہ سعید، محمود شلتوت، مولانا محمد عنایت اللہ سبحانی، محترم جاوید احمد غامدی اور مولانا عمار خان ناصر وغیرہ اہل علم و تحقیق نے بحث و گفتگو کے دائرہ کو آگے بڑھایا ہے[۲]۔ اس مقالہ میں اختصار کے ساتھ نفس موضوع، اس پر نئے مباحث اور نئے لکھنے والوں کے خیالات پیش کیے جائیں گے تاکہ اس سلسلہ میں بحث و نقد کے مزید امکانات روشن ہوں۔

قرآن کریم مذہب و عقیدہ اور فکر و نظر کی آزادی کا قائل ہے، اور 'لَا اِکۡرَاهَ فِی الدِّیۡنِ' کہہ کر اس نے دین و مذہب اور عقیدہ و فکر کے بارے میں کسی بھی طرح کے جبر و اکراہ اور زور زبردستی کی نفی کر دی ہے۔ اس کا صاف اعلان ہے کہ 'فَمَنۡ شَآءَ فَلۡیُؤۡمِنۡ وَّمَنۡ شَآءَ فَلۡیَکۡفُرۡ'، ''جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کی راہ اختیار کرے'' (الکہف ۱۸:۲۹)۔ اس کے علاوہ 'لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ'، ''تمھارے لیے تمھارا دین ہے اور ہمارے لیے ہمارا'' (الکافرون ۱۰۹:۶)، 'لَسۡتَ عَلَیۡهِمۡ بِمُصَیۡطِرٍ'، ''اے نبی، تم ان پر داروغہ نہیں ہو'' (الغاشیہ ۸۸:۲۲) اور 'وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَیۡهِمۡ بِجَبَّارٍ فَذَکِّرۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مَنۡ یَّخَافُ وَعِیۡدِ'، ''اے نبی، تم ان کے اوپر مسلط نہیں کر دیے گئے ہو، لہٰذا قرآن کے ذریعہ ان لوگوں کو یاد دہانی کیے جاؤ جو میری وعیدوں سے ڈرتے ہیں'' (ق ۵۰: ۴۵) وغیرہ مختلف قرآنی آیات سے عدم اکراہ کو مؤکد کر دیا ہے۔ انسان کو عقل و شعور اور صحیح و غیر صحیح میں فرق و تمیز کی صلاحیت اور حق و باطل کو قبول کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اور اسی میں اس کا امتحان بھی ہے۔ کئی آیات میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو تمام انسانوں کو ایمان لانے پر مجبور کر دیتا۔ بالفاظ دیگر مذہبی جبر خدائی اسکیم کے بھی بالکل خلاف ہے۔ اس بات پر

نقل کیا گیا ہے کہ مرتد کو لازماً قتل نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کو قید کرنے پر اکتفا کیا جائے گا اور توبہ کرنے اور جماعت مسلمین کی طرف واپسی کی دعوت دی جائے گی۔ ایک قبیلہ کے کچھ لوگ مرتد ہو کر دشمن سے جا ملے تھے، مسلمان لشکر نے ان پر قابو پا کر ان کو قتل کر دیا، اس پر حضرت عمر نے فرمایا تھا: میں ان پر اسلام کو پیش کرتا اور اگر وہ انکار کرتے تو بس ان کو قید کر دیتا)۔

۲ تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: ''حدود و تعزیرات''، مولانا عمار خان ناصر، ''اسلام اور تبدیلیٔ مذہب'' (علمی مجالس) مولانا عنایت اللہ سبحانی، ایس اے رحمان کی کتاب ''Punishment of Apostacy in Islam''، محمود شلتوت کی ''الاسلام عقیدہ و شریعۃ''، طٰہٰ جابر علوانی ''اشکالیۃ الردۃ فی الاسلام'' وغیرہ عبداللہ سعید کا مقالہ ''Textual Challenges to Death Penalty for Apostacy in Islam''، نیز غلام احمد پرویز کا کتابچہ ''قتل مرتد اور اسلام''۔

تمام ائمۂ فقہ اور علما کا اتفاق ہے کہ کسی انسان کو مذہب کے اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، البتہ اختلاف اس میں ہے کہ کسی شخص کو اسلام سے نکل جانے اور کوئی دوسرا مذہب اختیار کر لینے کی بھی آزادی ہوگی یا نہیں؟ جمہور علما اس کا جواب نفی میں دیتے ہیں، اور فقہ اسلامی میں یہ ایک اجماعی مسئلہ سمجھا جاتا ہے کہ ایک آدمی نے اگر اسلام کو چھوڑ کر دوسرے مذہب وعقیدہ کو اختیار کر لیا تو اس کی اجازت نہیں ہوگی اور اس کی سزا موت ہوگی۔ چونکہ بعض روایات میں یہی کہا گیا ہے کہ 'من بدل دینه فاقتلوہ'، ''جو آدمی اپنا دین بدل دے، اس کو قتل کر دو''[۳] مولانا عنایت اللہ سبحانی اس حدیث کا ترجمہ یوں کرتے ہیں: اس وقت جو بھی اپنا دین بدلتا ہے تو اس کو قتل کر دو (تبدیلیٔ مذہب اور اسلام ۱۸)۔

جہاں تک آزادی رائے کی بات ہے، تو فقہا کہتے ہیں کہ اس بات کی آزادی تو ہے کہ کوئی اسلام کو قبول نہ کرے مگر ایک بار جب وہ اس کو قبول کر لیتا ہے تو پھر اس سے نکلنے کی آزادی نہیں ہوگی۔ ظاہر ہے کہ یہ کوئی عقل میں آنے والی بات نہیں ہے اور نہ کسی کو عقلاً اس بات کا قائل کیا جا سکتا ہے۔ طرفہ یہ ہے کہ اتنی غیر عقلی اور unconvincing بات پر ائمہ وفقہا کا اجماع بتایا جاتا ہے، حالاں کہ خود اجلہ صحابہ میں سیدنا عمر فاروقؓ کی اور تابعین وتبع تابعین میں اس موقف کی مخالف رائے بھی موجود رہی ہے، لیکن اس کا ذکر یا تو بحث میں آتا ہی نہیں یا بہت سرسری سا آتا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

جو اشکالات ارتداد کی اس مزعومہ اجماعی سزا کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، ان کی کئی توجیہات فکر اسلامی کے ذخیرہ میں ملتی ہیں:

پہلی توجیہ: عام فقہا اور اہل علم کی ہے جس کی ترجمانی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فرمائی ہے، اس توجیہ کے مطابق کفر وشرک دراصل اللہ تعالیٰ سے بغاوت کا رویہ ہے اور اس بغاوت کو جارحانہ اقدامات سے کچل دینے کا پورا جواز موجود ہے، اس لیے کفر کو مٹانے کے لیے اقدامی جنگ کی جائے گی، یعنی اپنی طرف سے اہل کفر پر بغیر ان کی جارحیت کے حملہ کر دینے کا اور ان کی قوت کو مٹا دینے کا جواز موجود ہے اور یہ ایک اخلاقی رویہ ہے۔ شاہ صاحب اور دوسرے ائمہ وفقہا یوں جبر واکراہ کو شریعت کا ایک باضابطہ اصول تصور کرتے ہیں۔ اور اسی کے تحت یہ بھی آتا ہے کہ کوئی شخص دین کو قبول کر لینے کے بعد اس سے نکلتا ہے تو اس سے انتہائی سختی سے نمٹا جائے اور زمین کو اس کے وجود سے پاک کر دیا جائے۔ شاہ صاحب کے نزدیک یہ ایسا ہی ہوگا، جیسے کہ کوئی آقا اپنے بیمار غلاموں کو دوا دینے

---

[۳] بخاری فی الجہاد والسیر، حدیث نمبر: ۳۰۱۷، اور احمد، ابوداؤد، الترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔ قتل مرتد کی روایات ابن عباس، ابوموسیٰ اشعری، معاذ بن جبل، علی بن ابی طالب، عثمان بن عفان، ابن مسعود، ام المومنین سیدہ عائشہ، انس بن مالک اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔

کے لیے اپنے کسی آدمی کو مامور کر دے، دوا کڑوی ہو چاہے، وہ بیمار پینا چاہیں یا نہ چاہیں، اسے ان کو دوا پینے پر مجبور کرنے کا حق ہے[4]۔ یہ توجیہ موجودہ زمانہ میں نظر ثانی کی محتاج ہے اور اس کا مفصل ناقدانہ مطالعہ کرنا ہوگا، تاہم مختصراً اتنا کہنا ضروری اور غالباً مناسب ہوگا کہ یہ توجیہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کے جاری قانون ابتلا و آزمایش کی نفی کر دیتی ہے جو کہ اِس پر مبنی ہے کہ ایمان و کفر اور ہدایت وضلالت کے باب میں اصل یہ ہے کہ انسان کو دونوں راستے بتا کر آزاد چھوڑ دیا گیا ہے یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ اپنے لیے کون سا راستہ اختیار کرتا ہے؟ اس کو عقل کی رہنمائی دی گئی، ساتھ ہی وحی الٰہی کی روشنی بھی۔ یوں ہر طرح اس پر حجت تمام کر دی گئی ہے۔ اب قیامت کو انسان کے پاس خدا تعالیٰ کے پاس پیش کرنے کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہے گا۔ لٰہذا یہ توجیہ آج کے انسان کے لیے قابل قبول نہیں ہو سکتی۔

دوسرے آیت کریمہ 'لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ'، ''دین کے معاملہ میں کوئی زور زبردستی نہیں'' (البقرہ ۲: ۲۵۶) کی شان نزول کی روایات بھی اس توجیہ کو قبول کرنے سے مانع ہیں۔ ان روایات کے مطابق اسلام سے پہلے بعض انصار کے بچے یہودی اور بعض کے نصرانی ہو گئے تھے۔ اسلام کے آنے کے بعد ان کے والدین نے اپنے بچوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا چاہا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر شاکی ہوئے۔ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور ان کے والدین کو ہر قسم کے جبر سے روک دیا گیا[5]۔

دوسری توجیہ: اسلام کے تحفظ وبقا اور دفع فساد کے اصول پر مبنی ہے، یعنی اس توجیہ کے حاملین یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام سے پلٹ جانے والا اپنی ذات سے ملت اسلام کے لیے خطرہ اور نقصان کا سبب بن رہا ہے۔ وہ دوسرے مسلمانوں کو بھی فتنہ میں مبتلا کر سکتا ہے اور اس لیے حفظ ماتقدم کے طور پر اس کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ اس دوسری توجیہ کی ترجمانی مختلف طور پر کی گئی ہے۔ مثلاً اس بارے میں امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ مرتد ہونے والا گویا اپنے وجود سے دوسروں کو ارتداد کی دعوت دے رہا ہے، اس لیے اس کے خطرہ کا سد باب اسی طرح ہو سکتا ہے کہ اس کے وجود کو مٹا دیا جائے اور اس لیے اس کی سزا قتل مقرر کی گئی ہے[6]۔ اس میں اشکال یہ ہے کہ جیسے اہل اسلام کو اپنے قومی دفاع کا حق حاصل ہے

---

[4] ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں شاہ صاحب نے دین میں اکراہ کی ضرورت کی مثال یوں دی ہے: 'فمثله في ذلك كمثل سيد مرض عبيده فأمر بعض خواصه أن يكلفهم شربَ دواء أشاؤا ام أبوا، فلو أنه أكرههم على ذلك كان حقًا' (حجۃ اللہ البالغۃ، الجزء الاول القسم الاول، مبحث السیاسات الملیۃ، ۱۵۷، حققہ وراجعہ: السید السابق، دار الجیل)۔

[5] شیخ محمد رشید رضا: تفسیر المنار ۱/۱۱۷، دار المعارف ۱۹۷۳م، بیروت)۔

[6] ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ ۷/۸۵، ۲۰/۱۰۲، بحوالہ عمار خان ناصر، ''حدود وتعزیرات'' ۲۱۰، طبع اول، المورد، لاہور، ۲۰۰۸ء۔

www.javedahmadghamidi.org

ویسا ہی حق دوسری قوموں کو بھی اخلاقی طور پر حاصل ہونا چاہیے۔ اوران کو بھی یہ اخلاقی حق ملتا ہے تو پھر تو دوسرے مذاہب سے پھر کر کوئی شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور مذہب قبول کر لیتا ہے، مثلاً عیسائی یہودی ہو جائے یا یہودی عیسائی تو اس کا جواز بھی نہیں رہے گا؟ چنانچہ بعض سلفی علما اور ظواہر کا یہی مسلک ہے[7] اگرچہ جمہور علما اس کو درست نہیں سمجھتے۔ بلکہ دوسرے مذاہب سے اسلام میں آنے کا جواز بھی نہیں رہے گا۔ دوسرے ارتداد کی سزا کے نفاذ کے جو واقعات ملتے ہیں، وہ دور نبوی کے اخیر کے ہیں، جب کہ اہل اسلام کو قوت حاصل ہو گئی تھی اور تحفظ و بقا کا بڑا خطرہ باقی نہیں رہ گیا تھا، حالاں کہ اس توجیہ کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ سزا ابتدا ہی میں نافذ کی جاتی۔

جب کہ فقہاے احناف نے یہ توجیہ کی ہے کہ دراصل جب کوئی مرتد ہوتا ہے تو وہ اسی وقت محارب بھی ہو جاتا ہے، اس کو جو سزا دی جاتی ہے، وہ دراصل محاربہ کی دی جاتی ہے، نہ کہ محض ارتداد کی۔ اس لیے ان کے ہاں مرتد عورت کی سزا قتل نہیں، بلکہ اس کو قید کر دینا ہے۔ چونکہ عورت محارب نہیں بن سکتی، اس لیے اس پر حرابہ کی سزا کا اطلاق بھی نہ ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ منطقی اور عقلی طور پر فقہاے احناف کی یہ توجیہ عام فقہا کے بالمقابل زیادہ قرین قیاس اور معقول ہے، تاہم اس میں پھر یہ اشکال رہ جاتا ہے کہ ہر مرتد کو کس بنیاد پر محارب مانا جا سکتا ہے؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ امکانی طور پر Potentially محارب ہے تو اس کا دفعیہ اس پر جزیہ جیسا ٹیکس نافذ کر کے کیا جا سکتا ہے، اس کی جان لینی ہی کیوں ضروری ہو؟ امام سرخسی اس طرف گئے ہیں کہ دراصل مرتد مشرکین عرب سے مشابہ ہو گیا جن کو اتمام حجت کے بعد دو ہی آپشن دیے گئے تھے یا تو اسلام قبول کریں یا موت کا سامنا کریں۔ تو اس مرتد نے اسلام سے پلٹ کر گویا توہین دین کی اور یوں استخفاف دین کی وجہ سے وہ بھی سزاے موت کا مستحق ہو گیا[8]۔

تیسری توجیہ: مولانا مودودی کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اسلام ایک مذہب نہیں، بلکہ ایک نظام زندگی ہے اور اس نظام میں کوئی ایسا راستہ کھلا نہیں رکھا جا سکتا جو اس کے انتشار کا باعث بنے۔ ایسی نظریاتی ریاست کے باشندوں کا سیاسی اور نظریاتی، دونوں معنوں میں اس کا وفادار ہونا چاہیے، اسی لیے اس میں غیر مسلم شہریوں کو بھی بدرجۂ مجبوری گوارا کیا جاتا ہے۔ اب کوئی شخص جو پہلے اس نظام میں اپنی مرضی اور آزادی سے داخل ہوا، اُس کو اِس سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ ایسا کرنے سے ریاست کی نظریاتی بنیادوں کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے[9]۔ مولانا کے اس نقطۂ نظر

---

[7] تفصیل کے لیے دیکھیے: مجموعہ فتاویٰ شیخ عبدالعزیز الحمد السلمان موسوم بہ الاسئلۃ والاجوبۃ الفقہیہ ۳/ ۲۳۳-۲۳۴۔

[8] سرخسی، المبسوط ۱۰/ ۱۱۰، بحوالہ ''حدود و تعزیرات''، عمار خان ناصر ۲۱۱۔

[9] مولانا مودودی، مرتد کی سزا، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، ۴۹-۵۰۔

پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس نظریاتی نظام کے تحفظ کے لیے مرتد کی جان لینا ہی کیوں لازم ہو، آپ اس کی شہریت چھین کر بھی تو یہی مقصد حاصل کر سکتے ہیں؟ دوسرے آپ پوری دنیا میں جو ایک بین الاقوامی خلافت کے قیام کے داعی ہیں، بالفرض اس کا قیام ہو جاتا ہے تو بہت بڑی تعداد میں جو دنیا میں غیر مسلم اکثریت ہے، اس کا کیا ہوگا؟ اس ریاست میں اگر کوئی مرتد ہو جاتا ہے تو آپ اس کی شہریت واپس لے لیں گے تو وہ جائے گا کہاں؟ وغیرہ کئی اشکالات مولانا کے اِس نظریہ پر پیدا ہوتے ہیں جن کا کوئی Reasonable جواب نہیں ملتا ہے۔ بہرحال اس بارے میں مولانا نے ایک اجتہاد یہ کیا ہے کہ تمام فقہا وعلما کے برخلاف وہ مرتد کے لیے یہ گنجایش پیدا کرتے ہیں کہ وہ اسلامی ریاست کے حدود کو چھوڑ کر چلا جائے، یوں اس کی جان بچ جائے گی۔[10]

ایک توجیہ امام شافعی نے ''کتاب الام'' میں کی ہے اور جناب جاوید احمد غامدی اور مولانا عمار احمد خان ناصر نے اس کی مزید وضاحت کی ہے۔ اور وہ یہ ہے:

کہ اس سزا کو اللہ تعالیٰ کے قانون اتمام حجت سے مربوط کیا جائے۔ یعنی اللہ کے رسول اس زمین میں اللہ کی عدالت بن کر آتے ہیں اور ان کے ڈائرکٹ مخاطبین کے لیے دو ہی راستے ہوتے ہیں کہ وہ یا تو وقت کے رسول کی اطاعت قبول کر لیں یا اس سرزمین سے ان کا وجود ختم کر دیا جائے۔ گذشتہ اقوام کو اسی قانون حجت کے تحت دنیا سے ختم کر دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں آپ کے مخاطبین کفار عرب کو آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے ذریعے سے عذاب کا مزہ چکھایا گیا اور ان کو شکست وذلت سے دوچار کیا گیا۔ لیکن یہ اتمام حجت رسول کے ذریعے سے چونکہ کامل معنی میں ہوتا ہے اور بعد کے لوگوں کے ذریعے سے اتنے کامل معنی میں اس کا اتمام ممکن نہیں ہے۔ اس لیے رسول اللہ کے بعد اب بقیہ کفار ومشرکین کے خلاف اسلام کی دعوت قبول نہ کرنے کی صورت میں جارحیت کی اجازت نہیں ہوگی۔ ان سے جنگ صرف دفاعی مقاصد کے لیے لڑی جائے گی۔ اور اسی قانون کا اطلاق مرتد کی سزا پر بھی ہوگا۔ البتہ جناب جاوید احمد غامدی صاحب اس سزا کو صرف مشرکین بنی اسماعیل کے ساتھ خاص سمجھتے ہیں۔[11] مولانا عمار خان ناصر ان کی رائے سے عمومی طور پر اتفاق کرتے ہوئے اس میں یہ اضافہ کرتے ہیں کہ اس حکم میں اس وقت کے اہل کتاب کو شامل کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بہرحال غامدی صاحب اور مولانا عمار خان ناصر صاحب، دونوں کے نزدیک ارتداد کی سزا شریعت کا کوئی ابدی حکم نہیں ہے، بلکہ تعزیری ہے، اگرچہ

---

[10] ایضاً ص ۴۸-۷۴، ۷۶۔

[11] جاوید احمد غامدی، برہان، المورد، لاہور، ۱۳۹-۱۴۳۔

عام فقہا اور علما نے اس کو ابدی حکم ہی مانا ہے۔[12]

اور مولانا عمر احمد عثمانی نے سزائے ارتداد کا اطلاق محاربین پر کیا ہے۔ ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لے آئے اور اہل کفر سے معرکہ آرائی شروع ہوگئی تو اس وقت دو کیمپ واضح طور پر وجود میں آ گئے یا تو اہل ایمان تھے یا ان کے دشمن اہل کفر محاربین۔ اور اس وقت کسی شخص کا مرتد ہو جانے کا مطلب ہی یہ ہوتا تھا کہ وہ محاربین میں شامل ہو گیا ہے۔ اس کے محارب ہونے کی وجہ سے ہی اس کو یہ سزا دی جاتی تھی۔[13] مولانا عثمانی کا یہ موقف دراصل حنفی نقطۂ نظر سے ہی مستفاد ہے۔ تاہم اس سے یہ مسئلہ پھر بھی حل نہیں ہوتا کہ آج کے مرتدین کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔ عبداللہ سعید نے اپنے مقالہ میں اس کی وضاحت یوں کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اہل اسلام اور اہل کفر، دونوں ایک دوسرے کے مقابل اور متحارب تھے، کیونکہ دونوں ہی اپنے اپنے عقیدہ و مذہب کے لیے لڑتے تھے، اس زمانہ میں پیشہ ور اور ریگولر آرمی کا تصور عرب میں نہ تھا۔ چنانچہ کسی مسلمان کے مرتد ہو جانے کا واضح مفہوم یہی تھا کہ وہ مدینہ چھوڑ کر چلا جائے اور لشکر اعداء کا حصہ بن جائے۔ (دیکھیے عبداللہ سعید ص ۱۸ Textual Challenges to Death Penalty for Apostasy in Islam and the Question of Freedom of Religion)

اس سلسلہ میں عرب عالم و مفکر ڈاکٹر طٰہٰ جابر علوانی[14] کا موقف تھوڑا سا الگ ہے۔ ارتداد کے موضوع پر طٰہٰ جابر

---

[12] مولانا عمار خان ناصر ''حدود و تعزیرات: چند اہم مباحث'' ۲۲۸، المورد، طبع اول جولائی ۲۰۰۸ء۔

[13] عمر احمد عثمانی، فقہ القرآن ۵۹۵-۵۹۶، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی۔

[14] ڈاکٹر طٰہٰ جابر علوانی (پ ۱۹۳۵ء، وفات ۴/ مارچ ۲۰۱۶ء)۔ علوانی عالمی سطح پر معروف تھنک ٹینک ''عالمی ادارہ برائے اسلامی واشنگٹن (ڈی سی) کے بانیان میں سے تھے۔ وہ شمالی امریکا کی فقہ کونسل کے بانی اور چیئرمین بھی رہے، فکر اسلامی اصول فقہ، قرآنیات اور فقہ الاقلیات علوانی کے دل چسپی کے میدان تھے۔ طٰہٰ جابر علوانی نے ۱۹۵۳ء میں جامعہ الازہر قاہرہ مصر سے ہائی اسکول کیا اور ۱۹۵۹ء میں اسی جامعہ کے کلیہ الشریعہ القانون سے بی۔ اے، ۱۹۶۵ء میں ایم اے اور ۱۹۷۳ء میں اصول الفقہ میں پی ایچ ڈی کی۔ اصول فقہ میں معروف کتاب ''المستصفی'' للغزالی پر انھوں نے کام کیا تھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے امام رازی کے اوپر بھی ایک کتاب لکھی جو کافی عرصہ کے بعد شائع ہوئی۔ ڈاکٹر علوانی عربی کے علاوہ انگلش، فارسی اور ترکش جانتے اور بولتے تھے۔ ڈاکٹر طٰہٰ جابر علوانی نے ۳۰ کتابیں لکھی ہیں، انھوں نے ''ادب اختلاف''، ''فقہ الاقلیات''، ''تبدیلی مذہب (ارتداد) کی سزا''، ''علوم کو اسلامیانا''، ''اجتہاد''، ''اصول فقہ'' پر اپنی نگارشات کے علاوہ قرآن پر غور و فکر کا

علوانی نے کتاب ''لا اکراہ فی الدین: اشکالیۃ الردۃ والمرتدین'' لکھی ہے۔ ان کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام میں ردۂ سیاسی اور ردۂ اعتقادی کے درمیان فرق کیا گیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے ارتداد کی دو قسمیں کی ہیں: پہلی ردۂ اعتقادی یا ردۂ فردی اور دوسری ردۂ سیاسی۔ ردۂ اعتقادی کی سزا کا محل دنیا نہیں، آخرت ہے اور ردۂ سیاسی کی سزا امام کی صواب دید پر ہوگی۔ علوانی کہتے ہیں کہ قرآن میں ارتداد کی سزا کا ذکر کئی جگہ آیا ہے، مگر ہر جگہ ان کی دنیوی عقوبت کا نہیں، بلکہ اخروی سزا کا ذکر ہے۔ البتہ احادیث میں اس سزا کا ذکر کیا گیا ہے، مثلاً مشہور حدیث ہے: 'من بدل دینہ فاقتلوہ' (حوالہ کے لیے دیکھیے حاشیہ نمبر ۳)۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی احادیث اس ضمن میں ذکر کی جاتی ہیں، جن کی معقول توجیہ یہ کی جاسکتی ہے کہ وہ ان مرتدین کے بارے میں وارد ہوئی ہیں جو داعی الی الارتداد ہوں، سازشی ہوں کہ بعض روایات میں وارد الفاظ: 'التارك لدينه المفارق للجماعة' کے الفاظ سے اس موقف کی تائید ہوتی ہے۔ سیاسی سطح پر اسلامی اجتماعیت کا سب سے بڑا مظہر اسلامی ریاست ہوتی ہے تو 'التارك للجماعة' وہ ہوگا جو اسلامی ریاست کے برخلاف بغاوت کا مرتکب ہو یا اس کے خلاف سازش کر رہا ہو۔ ا۔ ردۂ سیاسی کی سزا امام اپنی صواب دید سے مقرر کرسکتا ہے، ایسے مرتدین سے حالات کے تقاضے سے جنگ بھی کی جاسکتی ہے، جیسے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے

ایک سلسلہ ''التدبر'' کے نام سے شروع کیا۔

علوانی ایک مجتہد عالم دین ہیں، انھوں نے کئی مسائل میں جمہور سے ہٹ کر اپنی الگ رائے قائم کی۔ مثال کے طور پر وہ کہتے ہیں کہ ارتداد کی سزا کو اطلاقی معنوں میں نہیں لینا چاہیے، بلکہ ان نصوص کے پس منظر کو سامنے رکھنا چاہیے، کیونکہ اس سلسلہ میں بعض تابعین اور بعض ائمہ سے دوسری رائیں بھی منقول ہیں۔ ڈاکٹر علوانی یہ بھی کہتے ہیں کہ نص شرعی کی حیثیت صرف قرآن کریم کو حاصل ہے۔ انھوں نے امام شافعی کی ''کتاب الام'' کا مطالعہ کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ امام شافعی بھی اسی کے قائل ہیں۔ واضح رہے کہ صحیح وثابت سنت ان کی نظر میں بہرحال قرآن کریم کی شرح وتفسیر ہے، لیکن وہ دین کی مصدر اساسی یا نص اصلی نہیں۔ یہ بات انھوں نے اپنی ایک مختصر کتاب ''مفاهيم محورية في المنهج والمنهجية'' میں لکھی ہے۔ علوانی اس بات کے بھی قائل ہیں کہ ہمیں قرآن کا ڈائریکٹ مطالعہ کرنا چاہیے اور تفسیری سرمایہ پر انحصار کم کرنا چاہیے کہ بسا اوقات انسانی تشریحات قرآن اور طالب قرآن کے درمیان حائل ہوجاتی ہیں۔ اسی کو اقبال نے یوں ادا کیا ہے:

ترے ضمیر پر جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

اس کے علاوہ مرحوم علوانی کئی اور باتوں میں فقہاے کرام سے اختلاف کرتے ہیں، وہ مسلم اقلیتوں کے الگ فقہ (فقہ الاقلیات) کے تدوین کے قائل اور اس کے لیے سرگرم رہے ہیں۔

کی تھی۔۲۔مگر ردۂ اعتقادی کی کوئی دنیوی سزا مقرر نہیں ہے، کیونکہ قرآن نے مرتدین کا ذکر متعدد جگہوں پر کیا ہے، مگر کہیں تصریحاً یا اشارۃً (اشارۃ النص) بھی کسی دنیوی سزا کا ذکر نہیں کیا۔روایات وآثار کی معقول ومناسب توجیہ کی جاسکتی ہو تو ان کی تاویل کی جانی چاہیے۔اپنے اس مدعا پر علوانی نے جو مقدمہ قائم کیا ہے، اس کی تلخیص یوں کی جاسکتی ہے:

قرآن ہی حاکم ومہیمن ہے، وہی اصل نص شرعی ہے، اس سے کوئی حدیث یا کسی امام کا قول متصادم ہوتا ہو تو اصل قرآن کو قرار دے کر متصادم چیز کو رد کر دیا جائے گا یا اس کی مناسب توجیہ وتاویل کی جائے گی۔یہی منہجی اور اصولی اساس ہے جس پر علوانی نے پورے مقدمہ کی بنیاد رکھی ہے۔اس اصل سے یہ نتیجہ متفرع ہوا کہ علوانی اصولی طور پر نہ اس کے قائل ہیں کہ سنت قرآن کو منسوخ کر سکتی ہے اور نہ اس کے کہ وہ اس کے کسی حکم کو خاص کر سکتی ہے۔اس میں انھوں نے حنفی اصول فقہ سے فائدہ اٹھایا ہے۔چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اپنے قرآنی مسلک سے متصادم حدیثوں کو مسترد کرنے میں علوانی کوئی پس وپیش محسوس نہیں کرتے۔ظاہر ہے کہ علوانی کا یہ موقف جمہور علما کے موقف سے متصادم تو ہے، مگر ہے اپنے آپ میں مدلل اور باوزن۔

اس اصل کو ثابت کر کے علوانی نے قرآن کی متعدد آیات نقل کی ہیں جن میں حریت دین واعتقاد کو ثابت کیا گیا ہے[۱۵]۔ کثرت سے حریت دین وعقیدہ کا فائدہ دینے والی آیات کو نقل کر کے علوانی نے سرسید احمد خاں اور معتزلہ کی طرح یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ان آیات سے متصادم کوئی حدیث یا رائے قبول نہیں کی جاسکتی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ حریت اعتقاد مقاصد شرعیہ میں سے ہے اور دین کے طے کردہ ان اعلیٰ اقدار اور حتمی اصولوں میں سے ہے جن کو انھوں نے قیم علیا اور مقاصد کلیہ کا نام دیا ہے۔یہ قیم علیا اور مقاصد کلیہ علوانی کی نظر میں چھ، یعنی توحید، تزکیہ، عمران، حریت، عدل اور مساوات ہیں[۱۶]۔ یاد رہے کہ امام غزالی، امام الحرمین الجوینی اور شاطبی نے جو مقاصد شریعت کی بات کی ہے، ان میں وہ مقاصد شریعت پانچ (بعض حضرات چھ) ذکر کرتے ہیں اور عقل، جان، مال، نسل اور مذہب کی حفاظت کو مقاصد شرع میں شمار کرتے ہیں[۱۷]۔ یوں علوانی کے ذکر کردہ مقاصد کلیہ ان حضرات کے ذکر کردہ مقاصد شریعہ سے

۱۵؎ دیکھیں: لا اکراہ فی الدین، اشکالیۃ الردۃ والمرتدین ۹۰، الطبعۃ الثانیہ، نومبر ۲۰۰۶ء، المعہد العالمی للفکر الاسلامی، ہیرندن امریکہ۔

۱۶؎ دیکھیں وہی کتاب ۹۰۔

۱۷؎ ملاحظہ ہو: احمد الریسونی نظریۃ المقاصد الشرعیہ عند الامام الشاطبی ۱۳۷، المعہد العالی العالمی للفکر الاسلامی واشنگٹن۔

یک گونہ الگ ہو جاتے ہیں۔

علوانی کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ایمان و کفر، دونوں قلبی معاملے ہیں اور یہ انسان اور اس کے رب کے درمیان کی بات ہے: 'فیما بین العبد و ربہ'؛ اور ان پر جزا و سزا کا معاملہ سراسر اخروی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ آدمی ایمان قبول کرتا ہے یا کفر کرتا ہے۔ یہ تمام تر امر خداوندی ہے، لوگوں کا یا اسلامی حکومت کا اس سے کچھ لینا دینا نہیں۔ اسی طرح مذہبی و عقیدہ کی آزادی مطلق آزادی ہے۔ اس پر اللہ ہی حساب لے گا۔ کوئی بندہ نہیں لے سکتا۔ لہٰذا مرتد کی شرعاً کوئی حد نہیں ہے۔ نہ اس کو قتل کرنا جائز ہے۔ جن روایات سے قتل مرتد کا اثبات ہوتا ہے، وہ حریت عقیدہ کے منافی ہیں جس کو قرآنی نصوص دین کے مقاصد علیا میں سے قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا ان روایات کو رد کرنا چاہیے یا ان کی مناسب توجیہ۔

۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مدت حیات میں کسی مرتد کو قتل نہیں کیا۔ چونکہ علوانی کا موقف یہ ہے کہ قرآن ہی اصل مصدر شریعت ہے (المصدر المنشئ والکاشف ۵۳) اور سنت اس کی مبین اور شارح ہے (المصدر المبین)، اس لیے کوئی ایسی روایت اس میں نہیں آسکتی ہے، نہ قبول کی جاسکتی ہے جو قرآن کے منافی و معارض ہو اور اس کے کسی حکم کو منسوخ کرتی ہو۔ اور چونکہ قرآن میں تقریباً ۲۰۰ آیتوں میں حریت عقیدہ و فکر کی بات کہی گئی ہے۔ ساتھ ہی متعدد آیات میں ارتداد (ردہ) کی بات کہیں صریحاً اور کہیں اشارۃً آئی ہے اور ہر جگہ کافر و مرتد کی اخروی عقوبت کا ہی تذکرہ ہے[۱۸]۔ مثال کے طور پر: 'وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ'، ''تم میں جو شخص اپنے دین سے پلٹ جائے اور کفر کی حالت میں اس کو موت آجائے تو وہ ایسے لوگوں میں شمار ہوگا جن کے اعمال دنیا و آخرت میں رایگاں ہو گئے، جو دوزخ والے ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے'' (البقرہ ۲: ۲۱۷) اور 'اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ'، ''جو لوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے، پھر اپنے کفر میں بڑھتے ہی رہے تو ان کی توبہ قبول نہ کی جائے گی اور وہی گم راہ ہوں گے'' (آل عمران ۳: ۹۰)۔ تو سنت قرآن کا معارضہ نہیں کر سکتی۔ سوال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی سلول کو کیوں قتل نہیں کیا، جب کہ اس کا نفاق بالکل ظاہر و باہر تھا؟ سورۂ منافقون میں کھول کھول کر اس کے بارے میں اور اس کے قبیل کے لوگوں کے بارے میں بتایا گیا تھا، اس کے باوجود آپ نے ابن ابی کے بیٹے حضرت عبداللہ سے، جنھوں نے اپنے باپ کے قتل

۱۸؎ کتاب اشکالیۃ الردۃ والمرتدین ۹۵۔

کی اجازت مانگی تھی، فرمایا: 'بل نحن نصحبه و نترفق به ماصحبنا و لا یتحدث الناس أن محمدًا یقتل أصحابه و لکن براباك و احسن صحبته'۔[19]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کئی واقعات میں ردہ کے بعد قتل کی اور بعض مرتدین کے ہدرِدم کی روایات آئی ہیں۔ تو اس سلسلہ میں علوانی کہتے ہیں کہ یہ واقعات محض ارتداد کے نہیں تھے، بلکہ یا تو متعلقہ مرتد نے جماعت المسلمین کے خلاف خروج کیا تھا، سازشیں کی تھیں اور لوگوں کو ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے پر اکسایا تھا یا مسلمانوں کے اموال میں خیانت کی تھی یا ڈاکا زنی کے مرتکب ہوئے تھے، جیسا کہ عرینہ والوں کا قصہ ہے۔ یا اسی طرح کے دوسرے جرائم کا ارتکاب کیا تھا جو حرابہ کے ذیل میں آتے ہیں[20]۔ البتہ بعض واقعات و روایات کی توجیہ و تعلیل میں دقت پیش آنے پر علوانی کو بھی اُسی حنفی اصولی موقف کا سہارا لینا پڑا کہ جن معاملات و مسائل میں عموم بلویٰ پایا جائے اور امت کو اس کی شدید ضرورت ہو، اُس میں حدیث آحاد اصولی طور پر کافی نہ ہوگی اور اگر وہ قیاس صحیح کے معارض ہوگی تو رد کر دی جائے گی۔ اسی کے ضمن میں علوانی یہ کہتے ہیں کہ تبدیلی مذہب کی شرعاً کوئی حد نہیں ہے، کیونکہ اشارۃً بھی کوئی چیز آتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نفاذ میں تردد کیسے فرما سکتے تھے، جب کہ حد سرقہ ہی کے بارے میں آپ نے صراحت فرما دی تھی کہ اللہ کی حدود میں کسی حد میں کسی کی سفارش بھی قبول نہیں ہوگی، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا لی کہ 'لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدها'، ''خدا کی قسم، اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کر لے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا'' اور حد کے سلسلہ میں بنو مخزوم کی ایک عورت کی سفارش کرنے پر آپ نے اپنے محبوب اور لاڈلے صحابی اسامہ بن زید تک کو سرزنش فرمائی؟[21]

ائمۂ فقہ کے مسالک: علوانی کا موقف یہ ہے کہ اصولی طور پر قرآن اور سنت، (یعنی اسوۂ عملی) نے اس معاملہ کو بالکل صاف کر دیا ہے، اس لیے فقہا کی آرا کے مناقشہ کی کوئی لازمی ضرورت نہیں۔ تاہم پھر بھی انھوں نے فقہا کی آرا و مذاہب کا جائزہ لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ دو بنیادوں پر قائم ہیں:

ا۔ سنت قولیہ: یعنی حدیث 'من بدل دینه فاقتلوه'، جس کے ذریعے سے انھوں نے قرآن کے عام کو خاص کر

---

19 ص ۱۰۰ کتاب مذکور۔

20 ملاحظہ ہو کتاب کا مبحث اول وقائع الردہ فی عہد الرسول ۱۰۱ تا ۱۱۷۔

21 'أتشفع في حد من حدود الله'، ابن حجر العسقلاني، فتح الباري شرح صحيح البخاري، كتاب الحدود، باب إقامة الحدود على الشريف والوضيع بيروت: دارالكتب العلمية، ۱۹۹۲م ج ۱۲۔

دیا ہے اور ۲۔ اس بات پر اجماع کا دعویٰ کہ صحابہ و تابعین اور امت کا اجماع قتل مرتد پر ہو چکا ہے۔ علوانی نے اپنی تفصیلی بحث میں دکھایا ہے کہ یہ دونوں ہی بنیادیں ثابت نہیں ہوتیں۔

جہاں تک حدیث 'من بدل دینه فاقتلوه' کی بات ہے تو علوانی نے اس حدیث پر سنداً یہ تنقید کی ہے کہ یہ اپنے بعض طرق میں مرسل ہے اور بعض اسانید میں خبر واحد اور اس کے بعض رجال و رواۃ پر اشکالات بھی ہیں[۲۲]۔ درایتاً بعض اہل علم یہ اشکال بھی پیش کرتے ہیں کہ اگر 'من بدل دینه فاقتلوه' کو عام معنی میں لیا جائے تو اس کا ظاہری مفہوم یہ ہوگا کہ اگر کوئی عیسائی بھی اپنا دین تبدیل کرے، کوئی یہودی بھی اپنا دین تبدیل کرے اور کوئی مسلمان بھی تو سب کے ساتھ یکساں معاملہ کیا جائے گا، لیکن اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے[۲۳]۔ عبداللہ سعید نے یہی استدلال کیا ہے (دیکھیں: ص ۱۸)، اس لیے اس کی تخصیص کرنی ہوگی۔ ہماری تخصیص یہ ہے کہ یہ اپنے معنی میں مطلق اور عام نہیں، بلکہ ایسا یہودیوں کے ایک سازشی گروہ کے بارے میں کہا گیا تھا جس نے صبح مسلمان ہونے اور شام کو اسلام سے پھر جانے اور یوں لوگوں کو دین سے برگشتہ کرنے کی ایک چال چلی تھی، لہٰذا اس حدیث میں اس گروہ کے بارے میں حکم دیا گیا ہے تاکہ اس کے دام ہمہ رنگ زمین کو ناکام کر دیا جائے۔ مولانا عنایت اللہ سبحانی اور عبدالحمید احمد ابوسلیمان نے بھی اسی قسم کی رائے بیان کی ہے۔ بلکہ ابوسلیمان اس رائے کو ابن القیم کی طرف منسوب کرتے ہیں[۲۴]۔ ابوسلیمان یہ اضافہ کرتے ہیں کہ یہودی سازش کے ساتھ ہی منافقین کے فتنہ کا مقابلہ قتل مرتد کے اس وقتی حکم سے کیا گیا، مگر ان کی یہ رائے بدیہی طور پر محل نظر معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی منافق کو یہ سزا دینا سیرت و حدیث کے ذخیرہ سے ثابت نہیں ہوتا۔

اسی طرح علوانی کا کہنا ہے کہ اس مسئلہ پر اجماع کا دعویٰ بھی درست نہیں، کیونکہ مختلف مسالک کے علما کی آرا میں

---

۲۲ ملاحظہ ہو کتاب کا صفحہ ۱۲۲۔

۲۳ عبداللہ سعید نے یہی استدلال کیا ہے۔ دیکھیں ان کا مقالہ:

Textual Challenges to Death Penalty for Apostacy in Islam p 18 in Ifta and Fatwa in the Muslim world and the West edited by Zulfiqar Ali Shah The International Institute of Islamic Thought London, Washingtion 2014.

۲۴ کتاب ''اشکالیۃ الردۃ'' ۱۱۹، اور دیکھیں: ڈاکٹر عنایت اللہ سبحانی، ''تبدیلیٔ مذہب اور اسلام''، ادارہ احیاء دین بلریا گنج اعظم گڑھ جنوری ۲۰۰۲ء - Abu Sulaiman Toward An Islamic Theory of International Relations 111 - 114 The International Institute of Islamic Thought London, Washingtion 1981.

اختلاف موجود ہے، بلکہ ایک ہی مذہب کے اندر کئی رائیں موجود ہیں، جن کی موجودگی میں اجماع کا دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے؟ کیونکہ بعض علما کے نزدیک ردۂ حد شرعی ہے، جب کہ بعض اُسے تعزیرات کے تحت لاتے ہیں اور بعض علما کہتے ہیں کہ اس بارے میں تمام تر اختیار حاکم و امام (حکومت اسلامیہ) کی صواب دید پر ہے۔ مصلحت عامہ اور مملکت کے تحفظ کے لیے وہ اس کا نفاذ کر بھی سکتی ہے، نہیں بھی کر سکتی۔ حکومت کی صواب دید حالات کے لحاظ سے بدل بھی سکتی ہے۔ بعض علما نے مرتدین کی مختلف اقسام قرار دے کر بعض کے لیے سزا تجویز کی اور بعض کے لیے نہیں کی، غرض کہ اجماع کا علی الاطلاق دعویٰ درست نہیں ہے۔

ردہ مفہوم شرعی اور سیاسی تصور کے مابین: علوانی یہ سمجھتے ہیں کہ فقہا و ائمہ کو اس مسئلہ میں جو اشتباہ لگا اور انھوں نے ردۂ سیاسی اور ردۂ اعتقادی کے درمیان جو فرق نہیں کیا تو اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کی خلافت کے شروع میں مرتدین نے نوزائیدہ اسلامی مملکت کے خلاف خروج کر دیا تھا، جس کی وجہ سے ان کے خلاف سخت کارروائی لازمی ہو گئی تھی۔ ان میں بعض مرتدین کو صرف زکوٰۃ دینے سے انکار تھا، بعض نبیٔ اور جھوٹی نبوتوں کی خام خیالیاں دل میں پالے ہوئے تھے اور بعض ساسانی اور قیصری بہکاووں اور اکساووں میں آ گئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق کا سخت ایکشن لینا واجب ہو چکا تھا، کیونکہ یہ ایکشن دراصل مملکت کے ان شہریوں کو جو بغاوت پر آمادہ تھے اور اسلامی مملکت کے تئیں اپنے فرائض و واجبات سے دست بردار ہو رہے تھے، اور قبل اسلام کی طوائف الملوکی اور قبائلی نظام کی طرف لوٹ جانا چاہتے تھے تو ان سرکشوں کو راہ راست کی طرف لانا مملکت کی مرکزیت باقی رکھنا اور اس کی وحدت و سالمیت کا تحفظ پہلی ترجیح اور اولین مقصد حروب ردہ کا تھا، نہ کہ محض تبدیلی مذہب اور عقیدہ سے انحراف کی سزا دینا۔ حضرت ابوبکر کی ان اولوالعزمانہ کوششوں اور فیصلہ کن موقف کی ماہیت اور کنہ کو سمجھنے میں بعد کے لوگوں کو دھوکا لگا۔ انھوں نے اس کو صرف حریت اعتقاد یا ارتداد کے خلاف جنگ تصور کر کے اس کو ایک مطلق حکم قرار دے ڈالا۔[۲۵]

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

۲۵؎ ملاحظہ ہو کتاب ''اشکالیۃ الردۃ والمرتدین'' کا ص ۱۴۹۔